32

مخلص اور تعلیم یافتہ احمدی نوجوان اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لئے وقف کریں

(فرمودہ 6 دسمبر 1940ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''تحریک جدید کے مختلف شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ وقفِ زندگی کا بھی ہے۔ جب مَیں نے پہلے سال اعلان کیا تھا تو اس کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی تھی کہ کس تعلیم اور لیاقت کے نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں۔ اس لئے اس وقت بہت سے نوجوانوں نے اپنے نام پیش کر دیئے تھے جن کی تعداد اڑھائی سو سے اوپر تھی۔ اس کے بعد جوں جوں وقتی ضرورتیں پوری ہوتی گئیں لازمی طور پر کام کی اہلیت کو مد نظر رکھتے ہوئے شرائط بھی زیادہ سخت کی جاتی رہیں اور موجودہ وقت میں یہ شرط ہے کہ وقف کنندہ گریجوائیٹ ہو یا انٹرنس پاس مولوی فاضل ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور حصہ بھی ہے جس کے لئے مولوی فاضل یا گریجوائیٹ کی شرط نہیں اور سائنس کے سٹوڈنٹ ہیں جنہوں نے تعلیم الاسلام ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا ہو۔ ان کے وقف صرف انٹرنس پاس کرنے کے بعد بھی قبول کئے جا سکتے ہیں کیونکہ میں نے غور کر کے معلوم کیا ہے کہ مسلمانوں کی توجہ سائنس کی تعلیم کی طرف بہت کم ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا علم ہے جس کی طرف قرآن کریم نے بار بار توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ

فرماتا ہے کہ زمینوں میں پھرو اور دیکھو۔ 1 آسمانوں، چاند، ستاروں اور سورج کی بناوٹ پر غور کرو۔ زمین میں سے ظاہر ہونے والی اور اپنے ارد گرد کی چیزوں پر غور کرو اور یہی سائنس ہے مگر اس کی طرف مسلمانوں کی توجہ بہت کم ہے۔ خصوصاً اس کے عملی حصہ کی طرف مسلمانوں کی توجہ بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ یورپ میں آج بھی مسلمانوں کی جو یادگاریں ہیں وہ کیمسٹری اور ہندسے یعنی حساب ہی ہیں۔ اہلِ یورپ اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے کہ حساب کے علم کی پختہ بنیاد مسلمانوں نے ہی رکھی ہے اور الجبرا تو کُلّی طور پر مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اس کے علاوہ میتھمیٹکس کے بہت سے مسائل بھی مسلمانوں کے زمانہ کی ایجاد ہیں۔ جو آجکل کالجوں میں مختلف ناموں سے پڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً مساحت 2 ہے اسے ادنیٰ حالت سے ترقی دے کر مسلمانوں نے کمال تک پہنچا دیا۔ اسی طرح اور علوم کو بھی انتہائی ترقی دی مگر آج مسلمان کے معنے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جسے حساب نہ آتا ہو۔ گویا مسلمانوں نے حساب کے فن کو کمال تک پہنچا کر اسے دوسروں کے سپرد کر دیا۔ جس طرح یتیم کا مال جب وہ بڑا ہو جائے تو اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے مسلمانوں نے بھی حساب کے علم کو یتیم کا مال سمجھا، اسے بڑھایا، ترقی دی اور پھر دوسری قوموں کے سپرد کر دیا کہ سنبھال لو۔ آج کہا جاتا ہے کہ مسلمان کا دماغ حساب کے لئے موزوں ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی جب کوئی مسلمان اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو اس میں نمایاں اور ممتاز ترقی کرتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب سر سلیمان ہیں جو فیڈرل کورٹ کے جج ہیں۔ پہلے وہ الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج تھے۔ پیشہ ان کا قانون ہے اور گزارہ ملازمت پر ہے لیکن وہ اپنے طور پر حساب کا شوق رکھتے ہیں اور اس شوق میں انہوں نے اس درجہ کمال پیدا کیا ہے کہ اس زمانہ کے مشہور فلسفی اور حساب کے ماہر آئن سٹائن کی بھی جس نے نظریہ اضافت کی دریافت کی ہے انہوں نے غلطیاں نکالی ہیں۔ آئن سٹائن اس زمانے کا بڑا فلسفی حساب دان مانا گیا ہے مگر سر سلیمان نے اپنی تحقیقات سے اس کی غلطیاں ثابت کی ہیں۔ اگر ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہوتا تو وہ اسے آسمان پر اٹھا لیتے۔ گزشتہ سورج گرہن کے متعلق انہوں نے قبل از وقت لکھا تھا کہ اگر آئن سٹائن کی تھیوری صحیح ہے تو گرہن اس طرح لگنا چاہیئے اور اگر میری تھیوری صحیح ہے تو اس طرح لگے گا اور جب گرہن لگا تو

یورپ اور امریکہ کے لوگوں نے تسلیم کیا کہ سر سلیمان کی رائے صحیح تھی۔ آئن سٹائن اس وقت سائنس کے میدان میں حکومت کرتا ہے اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے بہترین دماغوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ یورپ والے آج تک نیوٹن کو سب سے بڑا حساب دان مانتے آئے ہیں مگر اب بعض کا خیال ہے کہ آئن سٹائن اس سے بڑھ گیا ہے۔ لیکن سر سلیمان نے جن کا پیشہ ججی ہے اس کے نظریوں کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اگر ایسا شخص ہندوؤں میں ہوتا تو معلوم نہیں وہ اس کو کتنی شہرت دیتے۔ مگر مسلمانوں نے اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ مجھے ساری عمر کبھی بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ٹیگور کے شعروں میں کیا خوبی ہے لیکن ہندوؤں نے ان کا اس قدر پروپیگنڈا کیا کہ جہاں بیٹھے ان کا ذکر شروع کر دیا نتیجہ یہ ہؤا کہ یورپ والے بھی ان کو بڑا سمجھنے لگے اور ان کی کتابوں کے تراجم اپنی زبانوں میں کئے اور یہ سب ہندوؤں کے پروپیگنڈا کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں باتوں سے بھی مسمریزم ہو جاتا ہے۔

بچپن میں میرے گلے میں مخمل کا ایک فیتہ باندھا گیا تھا اور میرے بھائیوں کے گلوں میں بھی۔ خیال یہ تھا کہ اس کے باندھنے سے دانت بآسانی نکل آتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ فیتہ لاکھوں روپے کا بکا۔ بیس لاکھ روپے کی بکری چند سالوں میں ہو گئی۔ اور اس شخص نے اس سے دس پندرہ لاکھ روپیہ کمایا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد حکومت کو شک ہؤا اور اس نے ایک کمیشن بٹھایا جس نے رپورٹ کی کہ یہ صرف ایک ٹین کی تار ہے جس کے اوپر مخمل لپیٹی گئی ہے لیکن یہی چیز پہلے امریکہ میں مشہور ہوئی۔ وہاں سے یورپ اور یورپ سے ہندوستان آ پہنچی اور پھر یہاں کے دیہات تک میں پھیل گئی حتّٰی کہ ڈاکٹر اپنے نسخوں میں اسے تجویز کرتے تھے اور چونکہ یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہ مفید چیز ہے اس خیال کی وجہ سے بعض لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا تھا لیکن دراصل یہ کوئی مفید چیز نہ تھی۔ آخر اس کے موجد پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے امریکہ کو چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اس قسم کے واقعات دنیا میں کثرت سے ہوتے ہیں کچھ لوگ ایک بات کی تائید کرتے ہیں اور اس سے متاثر ہو کر دوسرے بھی بغیر غور کرنے کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ مگر یہ ہندوؤں کا حال ہے۔ مسلمان تو اپنے لائق آدمیوں کی بھی قدر نہیں کرتے۔ گاندھی جی نے جب عدمِ تشدّد کا فلسفہ پیش کیا تو مَیں واحد شخص تھا جس نے آج سے بیس سال قبل

یہ آواز اٹھائی کہ یہ کس طرح کا عدمِ تشدّد ہے جو یہ پیش کرتے ہیں۔ اس میں تو تشدّد کا پہلو پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت ہر ہندو اور مسلمان یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ایک عجیب ایجاد ہے مگر آج کئی لوگ اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں جسے مَیں نے پیش کیا تھا۔ تو کسی خیال کی تائید میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کا لگ جانا دوسروں پر بھی یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ یہ واقعی اچھی چیز ہے۔ پس اگر مسلمان بھی اپنے عالموں اور مختلف علوم سے واقف لوگوں کی عزت کریں تو دنیا میں ان کی شُہرت قائم ہو سکتی ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ اس سے میری غرض صرف یہ بیان کرنا ہے کہ آج بھی جو مسلمان حساب کی طرف توجہ کرے وہ انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح علم کیمیا بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ کیمیا سے مراد سونا بنانا نہیں بلکہ کیمسٹری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ علم پہلے بھی موجود تھا لیکن اس کا بیشتر حصہ مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اس میں انہوں نے انتہائی ترقی کی اور بہت سے مرکبات جو آج بھی استعمال ہوتے ہیں وہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے ایجاد کردہ ہیں۔ تمام ٹینکچر الکحل میں بنتے ہیں اور الکحل مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ وہ اسے روح کہتے تھے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ الکحل کا لفظ بھی ان میں مستعمل تھا۔ اسی طرح اور بھی بہت سی چیزیں جو دوائیوں یا رنگوں میں کام آتی ہیں مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ رنگوں میں جتنی ترقی مسلمانوں کے زمانہ میں ہوئی کسی زمانہ میں نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے رنگوں والے تمام کپڑے عرب سے یورپ میں جاتے تھے حتّٰی کہ آج تک انگریزی میں ان کے نام وہی ہیں۔ مثلاً تافتہ ہے اسے انگریزی میں ٹیفٹ کہتے ہیں۔ آج نوجوان اسے دیکھتے اور کہتے ہیں کیا اچھی ایجاد ہے مگر انہیں علم ہی نہیں کہ یہ پہلے عرب میں بنتا اور تافتہ کہلاتا تھا۔ ڈمسکس (DAMASCUS) کا نام بھی دمشق کے نام پر ہے یعنی دمشق میں بننے والا۔ ململ بے شک ہندوستان کی بھی مشہور تھی مگر اعلیٰ درجہ کی ململ موصل میں تیار ہوتی تھی اور اسی وجہ سے اسے مسولین کہا جاتا ہے اور یہ کپڑے گو آج انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں بننے لگے ہیں مگر ان کے نام وہی ہیں۔ اگرچہ لہجہ بدل گیا ہے۔ تجارت کی وجہ سے ساری دنیا مسلمانوں سے دبتی تھی کیونکہ انٰ کی تیار کردہ چیزوں کی وہ محتاج تھی۔ لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے کیمسٹری کو چھوڑ دیا حتّٰی کہ ان میں نام کو بھی کیمیا کا کوئی ماہر نہیں ملتا۔ سونا بنانے

والے کیمیادان تو ملیں گے مگر کیمسٹری کا ماہر کوئی نہیں۔ یہاں بھی ایک دوست رہا کرتے تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ وہ جوانی میں اسی سونا بنانے کے خبط میں مبتلا رہے تھے۔ آخری عمر میں کئی دفعہ ان کی مدد کی گئی لیکن ادھر ان کو کوئی روپیہ دیا جاتا ادھر وہ بھٹی چڑھا دیتے کہ شاید اب کے سونا بن جائے۔ ان کے ایک بھائی بھی ان کی مدد کرتے تھے مگر ان سے بھی جو کچھ ملتا وہ اس میں صرف کر دیتے تھے۔ جن لوگوں کو یہ دُھن ہوتی ہے وہ ساری عمر اسی میں ضائع کر دیتے ہیں مگر سونا نہیں بنتا۔ مگر انگریزوں نے سونا چھوڑ ہیرے بنالئے ہیں۔ وہ بوٹ بناتے ہیں، چھریاں، چاقو اور ہزاروں دوسری چیزیں بناتے ہیں اور پھر ان سے ہزاروں روپیہ کماتے ہیں۔ کوئی شخص اگر کیمیا کے ذریعہ سونا بنا بھی لے تو کتنا بنا سکتا ہے مگر انگریزوں نے سونا چھوڑ ہیرے بنالئے ہیں۔ مسلمانوں نے ان علوم کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ وہ پھر اس طرف متوجہ ہوں اور اسلامی علوم کا دوبارہ احیاء کیا جائے اور چونکہ جو لوگ دنیاوی کاموں میں لگ جاتے ہیں ان کے لئے دین کی طرف آنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے مَیں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی ایک الگ جماعت تیار کی جائے۔ پس جن نوجوانوں نے سائنس لے کر میٹرک کا امتحان تعلیم الاسلام ہائی سکول سے پاس کیا ہو اُن کو بھی لیا جا سکتا ہے۔ ایسے نوجوانوں کے والدین اور رشتہ دار اگر ان کی مزید تعلیم کا بوجھ برداشت کر سکیں تو وہ اپنی تعلیم مکمل کریں۔ جن کو پورا خرچ دینے والا کوئی نہ ہو ان کو ہم مدد دے کر تکمیل تعلیم کرائیں گے۔ اور جن کے لئے بالکل ہی خرچ کا انتظام نہ ہو سکے ان کو اپنے خرچ پر تعلیم دلوائیں گے۔ تا ایک جماعت ایسی پیدا ہو جو اپنی جماعت میں بھی اور دوسروں میں بھی اپنے علم اور صنعت و حرفت میں ترقی کی بناء پر اس طرف توجہ پیدا کر سکے۔ پس گریجوایٹ یا انٹرنس پاس مولوی فاضل کی شرط میں یہ استثنٰی ہے اور ان شرائط کے ماتحت میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ نوجوان اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش کریں اور ثواب کے اس غیر معمولی موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے ہمیشہ ہی کھلے رہتے ہیں مگر انبیاء کے زمانہ میں ایسے کھلتے ہیں کہ دوسرے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انبیاء کے زمانہ میں غیر معمولی طور پر یہ دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اس زمانہ کی قربانیاں بہت قیمت رکھتی ہیں۔

مسلمانوں میں ایسے بادشاہ بھی گزرے ہیں جنہوں نے بادشاہتیں ترک کر دیں اور فقیر ہو گئے مگر اکثر لوگ ان کے نام سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے ہزار دو ہزار روپے کی جائدادیں دیں اور سب لوگ اس قربانی سے واقف ہیں۔ مالی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ان سے بہت زیادہ قربانیاں کرنے والے بھی موجود ہیں مگر ان کی وہ قدر و منزلت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے حالات میں بڑا فرق ہے۔ جب بعض باشاہوں نے بادشاہتیں چھوڑیں تو اس وقت مسلمان بادشاہ تھے اور بادشاہت چھوڑنے والے یہ جانتے تھے کہ ہماری اس قربانی سے ہماری قوم کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے جب قربانی کی تو جانتے تھے کہ بظاہر وہ اپنا اور اپنی اولاد کا خون کر رہے ہیں۔ اسی طرح آج جو نوجوان سلسلہ کے لئے زندگی وقف کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایسا شخص جو تیرنا نہ جانتا ہو سمندر میں کود پڑے۔ اس وقت چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور اس لئے دین کا کام کرنا بڑی بہادری کی بات ہے۔ بزدل تو سمجھے گا کہ میں مارا جاؤں گا مگر جس کے دل میں ایمان ہے اور جرأت ہے وہ سمجھتا ہے میں سمندر میں گر کر ہلاک نہیں ہو رہا بلکہ حفاظتِ اسلام کی مضبوط عمارت کی بنیادی اینٹ بن رہا ہوں۔ اس لئے اس کی یہ قربانی اپنے ساتھ ایسی برکات رکھتی ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری قربانی نہیں کر سکتی۔ کون شخص ہے جو آج اسے عقلمند کہے گا جو احمدیت کے لئے قربانی کرتا ہے۔ اس وقت تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ چند پاگل لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں دنیا کا مقابلہ کر لیں گے لیکن مومن سمجھتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز آئی ہے جس کا میں جواب دے رہا ہوں۔ یہ تو علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کامیابی کا وعدہ دیا گیا ہے لیکن اگر یہ وعدہ نہ بھی ہو تو بھی میرا فرض ہے کہ اس آواز پر لبیک کہوں۔ دنیا میں کئی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ مائیں اپنے بچوں کے لئے مر جاتی ہیں۔ کئی دفعہ ایسا ہؤا کہ بچہ بیمار ہؤا۔ ماں اس کی تیمارداری کرتی رہی۔ بچہ تو صحت یاب ہو گیا مگر ماں مر گئی۔ کیا یہ اس لئے ہوتا ہے کہ ماں کو اس خدمت کے صلہ کی امید ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اور جب ایک ماں اپنے بچہ کے لئے بغیر کسی صلہ کے لالچ کے جان دے سکتی ہے تو کیا مومن ہی خدا تعالیٰ کے لئے کسی بدلہ کے خیال کے بغیر قربانی نہیں کر سکتا؟

پس یہ غلط ہے کہ مومن اس لئے قربانی کرتا ہے کہ اسے ترقیات کی امید ہوتی ہے۔ اگر ترقیات کے وعدے نہ ہوتے، فرض کرو حیات بَعْدَ الْمَوْت نہ ہو، جنت دوزخ بھی نہ ہو تب بھی مومن خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرنے میں کبھی تامل نہ کرے گا۔ عام لوگ جو قوم کے لئے قربانیاں کرتے ہیں یا ملک کے لئے کرتے ہیں کیا ان کو یقین ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا کوئی صلہ انہیں ملے گا۔ سَو میں سے ایک بھی اس بات کا قائل نہ ہو گا مگر پھر بھی دیکھو لوگ کس طرح جانیں دیتے ہیں۔ پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مومن کی قربانی صلہ کے لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ انبیاء کے ابتدائی زمانہ میں تو صلہ کی امید کا خیال بھی غلطی ہے۔ اس لئے یہ زمانہ قربانی کے لئے بہترین زمانہ ہوتا ہے۔ دوسروں کی قربانیاں ملک و قوم کے لئے ہوتی ہیں مگر ان کی قربانیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم نے ملک کے لئے قربانیاں کیں اور تم جانتے تھے کہ تمہارا ملک شوکت و عظمت رکھتا ہے اس لئے اس کے لئے قربانی تمہارے لئے عزت کا موجب ہے۔ قوم کے لئے قربانی بھی عزت کا موجب ہے۔ جو لوگ قوم کے لئے مر جاتے ہیں ان کی کس قدر عزت ہوتی ہے۔ ایسی موت تو آدمی کو قومی لیڈر بنا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اولاد کے لئے بھی ترقی یافتہ قومیں انتظام کرتی ہیں اور ایسے لوگوں کو یہ تو اطمینان ہوتا ہے کہ ہماری اولاد خراب نہ ہو گی۔ سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ کسی سے کسی کی دشمنی ہوتی ہے مگر وہ کسی چوہڑے وغیرہ سے اپنے دشمن کو قتل کرا دیتا ہے۔ زمیندار کہتا ہے کہ فلاں آدمی کو مار ڈالو۔ اوّل تو میں تمہیں مقدمہ سے بچانے کی کوشش کروں گا لیکن اگر سزا پا جاؤ گے تو تمہارے بیوی بچوں کے گزارہ کا انتظام کر دوں گا۔ وہ سمجھتا ہے اول تو ضروری نہیں کہ میں پکڑا ہی جاؤں یا اگر پکڑا جاؤں تو سزا بھی پا جاؤں۔ اور اگر سزا بھی ہو جائے تو کیا ہے بیوی بچے تو آرام سے گزارہ کریں گے۔ اس لئے اس لالچ میں آ کر وہ یہ فعل کر لیتا ہے۔ پس لوگ ایسی قربانیاں کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ ملک و قوم کے لئے قربانیاں کرتے ہیں مگر ان کو اپنی اس قربانی کی کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کا صلہ ان کو یا ان کے بیوی بچوں کو ملے گا اور ایسی قربانیاں مشکل نہیں لیکن دین کے لئے آج قربانی کرنا مشکل ہے کیونکہ موجودہ حالات میں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس رستہ پر چلنا ایسا ہی ہے

جیسے انسان دریا کے ایسے کنارے پر چلے جو اندر دھنستا جارہا ہو اور گرتا جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے کنارے پر کوئی ظاہر بین کبھی عمارت نہیں بنایا کرتا کیونکہ دریا کا پانی وہاں غار بنا رہا ہوتا ہے۔ ایسی جگہ عمارت بنانا کسی ہمت والے کا ہی کام ہے۔ پس یہی وقت قربانی کا ہے۔ جو نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں چاہیئے کہ ان کا اخلاق اور عملی نمونہ اچھا ہو اور وہ پختہ عزم کر کے آئیں۔ میری غرض ان واقفین سے یہ ہے کہ ان میں سے ہی قاضی تیار کروں۔ ان میں سے ہی مفتی تیار کروں اور ان میں سے ہی مدرس ہوں۔ ان میں سے ہی مربّی اور تعلیم و تربیت دینے والے ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جو نوجوان اپنے آپ کو وقف کریں وہ اخلاقی طور پر اپنے آپ کو مفید وجود بنائیں۔ جب ان میں سے کسی کو قاضی بنایا جائے تو وہ ایسا نمونہ دکھائے کہ لوگ تسلیم کریں کہ وہ انصاف سے کام کرتا ہے۔ جب کسی کو مفتی بنایا جائے تو لوگ محسوس کریں کہ اس نے جو فتویٰ دیا ہے صحیح ہے اور جب کوئی مربّی بنے تو لوگ محسوس کریں کہ وہ جو بات بھی کرتا ہے خدا تعالیٰ کے دین کی خاطر کرتا ہے نہ کہ دشمن کو زیر کرنے کے لئے۔ یہ نہ ہو کہ وہ نفسانی رَو میں بہہ جائے۔ دراصل تمسخر وہی کرتا ہے جو دلیل نہیں دے سکتا۔ یہ چیز اس کی علمی کمی کا ثبوت ہوتی ہے۔ بے شک لطیفہ گو اور تمسخر کرنے والا بعض اوقات مجلس پر چھا جاتا ہے لیکن اس مجلس سے نکلنے کے بعد اس کے اپنے دل پر بھی اور سامعین کے دل پر بھی زنگ لگا ہوُا ہوتا ہے۔ بے شک اس وقت وہ مجلس کو خوش کر لیتا ہے مگر جب وہاں سے نکلتا ہے تو خدا تعالیٰ کو چھوڑ چکا ہوتا ہے اور شیطان اس کی گردن پر سوار ہو چکا ہوتا ہے۔ حقیقی مبلغ وہی ہے جس کے دل میں ہار جیت کا کوئی سوال نہ ہو۔ جس کو ہر وقت یہ خیال رہے کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ گرفت ہو۔

کئی دفعہ پہلے بھی یہ واقعہ میں سنا چکا ہوں۔ جس زمانہ میں مولوی محمد حسین صاحب تعلیم حاصل کر کے بٹالہ آئے تو ان کے خلاف بہت شور تھا کہ پیروں فقیروں کے منکر ہیں۔ لوگ ان کی بہت مخالفت کرتے تھے۔ انہی دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے گئے۔ بعض حنفیوں نے سوچا کہ ہمارے ایک حنفی عالم آ گئے ہیں ان کو مولوی

محمد حسین صاحب کے مقابلہ پر لے چلیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی کہا کرتے تھے۔ آپ سے لوگوں نے کہا تو آپ نے فرمایا اچھا چلتے ہیں اگر کوئی بات ہوئی تو کریں گے۔ لوگ مجلس میں اکٹھے ہوئے۔ آپ بھی تشریف لے گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو اہلِ حدیث کے متعلق زیادہ واقفیت اس زمانہ میں نہ تھی۔ اس لئے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے عقائد کیا ہیں تا کہ بحث سے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ آپ کہتے کیا ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب نے کھڑے ہو کر بیان کیا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں، رسول کو مانتے ہیں، قرآن کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں، قرآن کریم کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں اور حدیث کو خیالی آراء پر مقدم کرتے ہیں۔ غالی اہلحدیثوں کا عقیدہ تو اس سے سخت ہوتا ہے۔ پھر ممکن ہے مولوی محمد حسین صاحب نے مصلحتِ وقت کے تحت یہ بات کہہ دی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ باتیں سن کر فرمایا کہ یہ باتیں تو بالکل معقول ہیں۔ میں ان کا جواب کیا دوں۔ چونکہ اس جواب سے حنفیوں کو کچھ ذلت محسوس ہوئی اس لئے انہوں نے بہت برا بھلا کہنا شروع کیا اور طنزیں کرنے لگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے تھے کہ ہم وہاں سے آ گئے اور خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اس ترکِ بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔" 3

پس میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے جو مربّی تیار ہوں وہ بھی تقویٰ کے ماتحت کام کریں، سنجیدگی کا دامن کبھی نہ چھوڑیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھیں۔ ان کا مقصد بحث کبھی نہ ہو بلکہ ایسا نمونہ پیش کریں کہ دوسروں میں جو خرابیاں ہیں وہ دور ہو سکیں اور وہ ایسی سدِّ سکندری کا کام دیں جو یاجوج ماجوج کے حملوں کو روک دے۔ پس اس کام کے متعلق اپنی زندگیاں وقف کرنے کی تحریک مَیں جماعت کے نوجوانوں کو کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس کے لئے گریجوایٹ کی شرط ہے لیکن اگر کوئی آخری سالوں میں تعلیم پا رہا ہو تو وہ بھی اپنا نام پیش کر سکتا ہے۔ وہ اپنی تعلیم جاری رکھے۔ پاس ہونے کے بعد انتخاب کے لئے ہم اسے بلا لیں گے۔ انٹرنس پاس مولوی فاضل بھی اپنے نام دے سکتے ہیں اور اسی طرح

یہاں کے سکول میں تعلیم پانے والے وہ میٹرک جنہوں نے سائنس کی ہوئی ہو۔ باہر میٹرک پاس کرنے والے کام نہیں دے سکتے کیونکہ یہاں پڑھنے والوں کو تھوڑا بہت قرآن کریم اور عربی آجاتی ہے باہر نہیں۔ پس ایسے نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں۔ طالب علم بھی اپنے نام پیش کر سکتے ہیں جنہیں امتحان پاس کرنے کے بعد انتخاب کے لئے بلایا جائے گا۔ پس نوجوان اپنے آپ کو ان شرائط کے ماتحت وقف کریں تا اس جماعت کو اور آگے بڑھایا جا سکے۔

دوسری بات جس کی طرف مَیں جماعت کے دوستوں کو اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ سادہ زندگی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات دنیا میں پیدا کر دیئے ہیں کہ جن لوگوں کی نقل کر کے ہمارے ملک کے لوگ عیش پرستی میں مبتلا ہوئے وہ جنگ کے مصائب میں مبتلا ہو کر مجبوراً سادگی اختیار کر رہے ہیں اور اب تو ان کی سادگی ہماری اختیار کردہ سادگی سے بھی بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ ہم نے یہ تو کہا ہے کہ ایک سالن کھاؤ مگر یہ نہیں کہ چار پُھلکے ہی کھاؤ۔ مگر یورپ کے ممالک میں تو اب آٹے کا راشن ملتا ہے۔ ایک شخص مقررہ مقدار سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ ہم نے سالن میں گھی ڈالنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی کوئی شخص جتنا ڈال سکے ڈال لے مگر وہاں تو ایک چھٹانک سارے ہفتہ کے لئے مل سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور وہ گھی کی صورت میں نہیں بلکہ کچھ گھی کچھ تیل اور کچھ چربی ہوتی ہے۔ اندازاً دو تولہ چربی دو تولہ تیل اور ایک تولہ مکھن ملتا ہے۔ یہی حال لباس اور دوسری چیزوں کا ہے۔ جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمیں کس قدر سادگی کی ضرورت ہے۔ پس دوستوں کو ہمیشہ ایک کھانے کا التزام رکھنا چاہیئے۔ ہاں جمعہ کے روز یا مہمان وغیرہ آنے پر دو ہو سکتے ہیں یا مہمان کی عادت کے مطابق اس کے لئے انتظام ہو سکتا ہے۔ غیر احمدی معززین آجائیں تو کئی کئی کھانوں کے بغیر ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اجازت ہے ورنہ ایک پر ہی کفایت کرنی چاہیے۔ اور پھر اس میں بھی سادگی کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیئے تا غریب بھائیوں اور دوسروں میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی کھانا کھائے مگر روزانہ پلاؤ ہی کھاتا رہے مگر یہ بھی جائز نہیں۔ اور پھر اس سے صحت بھی خراب ہو جائے گی۔ انسان کی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے چاول گوشت پھل سبزی وغیرہ ہر چیز ضروری ہے اور ان

سب چیزوں کا استعمال ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ روز ایک ہی چیز کھائی جائے۔ جو شخص کہے کہ میں روز ہی روغن جوش استعمال کروں گا وہ اسراف کے علاوہ بیمار بھی ہو جائے گا۔ ایک دوست کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ ان کی صحت بہت خراب رہتی تھی۔ کئی علاج کئے مگر آرام نہ ہوُا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ان دنوں ابھی پٹیالہ میں تھے یہاں نہ آئے تھے وہ ان کے پاس گئے۔ وہاں سے انہوں نے لکھا کہ اب مجھے افاقہ ہے اور یقین ہو گیا ہے کہ اچھا ہو جاؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے میری بیماری سمجھ لی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ ان کو متواتر کثرت کے ساتھ مرغن کھانے کھانے سے تکلیف تھی۔ تو اس قسم کی غذائیں صحت کو برباد کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں روزانہ گھی پیا کروں گا تا موٹا ہو جاؤں تو اس کا دماغ مارا جائے گا۔ پس ایک کھانے میں بھی سادگی ضروری ہے۔ سادگی قوم کو مستقل طور پر قربانی کرنے کے لئے تیار کر دیتی ہے۔ اس سادگی میں لباس کی سادگی بھی شامل ہے، زیور کی بھی۔ میرے سامنے کئی مثالیں ہیں کہ بعض دوست پہلے سے بڑھ کر اب قربانیاں کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ پہلے ان کے اخراجات زیادہ تھے مگر سادگی اختیار کرنے کی وجہ سے اخراجات کم ہو گئے اور وہ زیادہ قربانی کرنے کے قابل ہو گئے۔ پس سادہ زندگی اختیار کرنے سے دین کے لئے زیادہ قربانی کی توفیق حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح سے عورتیں اور بچے بھی ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ غذامیں کمی کر کے بچوں کی صحت خراب کر دی جائے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قومی فرائض سے ایک اہم ترین فرض بچوں کی صحیح طریق پر پرورش کرنا بھی ہے کیونکہ قوم کا آئندہ بوجھ ان کے کندھوں پر پڑنے والا ہوتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہوں تو اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکیں گے۔ اس لئے ان کو خوراک پوری دینی ضروری ہے۔ ہاں اس میں سادگی کا خیال رکھنا چاہیئے اور فضول خرچی کی عادت نہیں ڈالنی چاہیئے۔ ان کو دینی ارکان کا پابند بنایا جائے۔ بلوغت سے قبل کبھی کبھی روزہ بھی رکھوانا چاہیے اس سے ان کی صحت خراب نہیں ہوتی بلکہ یہ صحت کے لئے فائدہ بخش چیز ہے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ بچوں کو نماز کے لئے نہیں جگاتے۔ وہ سمجھتے ہیں ابھی نیانا (بچہ) ہے۔ یہ درست نہیں ان کو نمازوں کی باقاعدگی کا عادی بنانا چاہیئے۔ پھر ورزش کی عادت بھی ڈالنی چاہیئے۔ کئی لوگ شکایت کرتے ہیں کہ خدام

الاحمدیہ والے ورزش کراتے ہیں۔ یہ شکایت ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو جو دھوپ میں بیٹھا ہوُا تھا کسی نے کہا تھا کہ اٹھ کر سایہ میں ہو جاؤ تو اس نے کہا تھا کہ کیا دوگے۔ بچوں کے ورزش کرنے سے خدام الاحمدیہ والوں کو کیا ملتا ہے۔ اس سے تمہارا ہی فائدہ ہے کہ تمہارے بچوں کی صحت درست ہو جائے گی ، اخلاق درست ہوں گے اور چُستی و چالاکی پیدا ہو گی۔ اگر وہ تندرست و توانا ہو کر زیادہ کمائیں گے تو کیا خدام الاحمدیہ والوں کو کچھ دے دیں گے۔ ہمارے ملک میں بچوں کو محنت کا عادی نہیں بنایا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر بھی نکمے ثابت ہوتے ہیں۔ یورپ میں بچوں کو محنت کا عادی بنایا جاتا ہے جس سے بڑے ہو کر بھی وہ کام کے قابل ہوتے ہیں۔ پس دوست اس بات کا خیال رکھیں کہ جہاں بچوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے کہ ان کی صحت بگڑ جائے وہاں ان کی تربیت کا بھی خیال رکھا جائے۔ انہیں محنت و مشقت کا عادی بنایا جائے۔ مشکلات کے برداشت کرنے کی مشق کرائی جائے اور انہیں اپنے اوقات کو ضائع کرنے سے روکا جائے کیونکہ جن نوجوانوں میں یہ عیوب ہوں وہ ملک، قوم بلکہ ساری دنیا کے لئے مصیبت کا موجب ہوتے ہیں اور جو شخص تمہارے بچہ کی ایسی تربیت کرنے میں مدد دیتا ہے جس سے وہ محنت اور مشقت کا عادی ہو وہ تمہارا دشمن نہیں بلکہ دلی دوست ہے اور اگر تم اسے چھوڑتے ہو تو پھر کوئی دوست تمہیں نہیں ملے گا۔"

(الفضل 6 جولائی 1960ء)

---

1 سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا۔ (آل عمران: 138)

2 مساحت: زمین کی پیمائش۔

3 تذکرہ صفحہ 10 ایڈیشن چہارم